مشکوٰۃ الانوار
تصنیف
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
پیش لفظ
مولانا عبدالقدوس ہاشمی
ترجمہ وحواشی
مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی
ناشر
واحد بک ڈپو
جونا مارکیٹ کراچی ۲

مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درسِ نظامی۔ مولوی فاضل، منشی فاضل)

ناشر

واحد بک ڈپو

جونا مارکیٹ۔ کراچی ۲

بار اول ء

تعداد

زیر اہتمام عبدالواحد

قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱-۵۰

عبدالواحد نے جاوید پریس میں طبع کراکر واحد بک ڈپو جونا مارکیٹ

کراچی ۲ سے شایع کیا

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از عبدالقدوس ہاشمی

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امام غزالیؒ (۴۵۰ - ۵۰۵ ھ) نے عمر تو پائی صرف پچپن سال، مگر اس مدت میں اتنا کچھ کام کیا کہ حیرت ہوتی ہے، وہ اپنے استاذ امام الحرمین جوینی کی مسند پر نظامیہ نیشاپور میں صدر مدرس رہے، نظامیہ بغداد کے صدر مدرس رہے، مناظرے کئے اور بہت کئے، اور وعظ کہے بہت کہے، ان سب پر مزید کتابیں لکھیں اور بہت لکھیں۔ اتنی لکھیں کہ بعض ۱۲۱ - بعض ۱۲۹ - بعض تو دو سو سے زیادہ بتاتے ہیں، تعداد یقیناً بہت ہی زیادہ ہوگی۔ آج جو کتابیں اُن کی ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہی کیا کم ہیں، ایک سے ایک ضخیم کیمیا سعادت احیاء علوم الدین، کیسی ضخیم کتابیں ہیں، ان کے علاوہ دو درجن سے زیادہ وہ معرکۃ الآراء کتابیں ہیں جو اگرچہ احیاء العلوم کی طرح چار چار جلدوں میں نہ سہی مگر اپنے مضامین کے اعتبار بے مثال ہیں، مثلاً المنقذ من الضلال، تہافت الفلاسفہ، کشف الاسرار الباطنیہ، وغیرہ پھر درجنوں چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی ہیں

ان چھوٹی کتابوں میں سے ایک مشہور کتاب ہے مشکوٰۃ الانوار۔ اس کتاب میں

امام غزالیؒ نے اپنی زندگی کے آخری رنگ تصوّف کے بموجب نورِ خداوندی کی تشریح و توضیح کی ہے، اور بہت خوب کی ہے، صوفیاء کے یہاں سرِ ظہور اور سرِ تخلیق سب سے زیادہ مشکل اور غامض مسئلہ ہے، اور اس کے بیان میں یاروں نے بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں پھر مزید یہ کہ نور متمثل ہو کر جسم اور علم متمثل ہو کر قلب ہوتا ہے، تصوّف یا صحیح لفظوں میں فلسفۂ تصوّف کے مہمات مسائل میں شمار ہوتا ہے، ان کا بیان کوئی آسان کام نہیں، غزالیؒ کی دیگر تصنیفات کی طرح یہ کتاب بھی فلسفیانہ، متصوّفانہ اور عالمانہ انداز کی ہے۔

کتاب بہرحال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی ہے، اور اس کی افادیت سے انکار کون کر سکتا ہے، اچھا ہی ہوا کہ اس کا اردو ترجمہ ایک عالم نے کر دیا، اب یہ عربی نہ جاننے والوں کیلئے قابلِ استفادہ ہو گئی۔ اُردو زبان میں جتنے زیادہ ترجمے ہوں گے اتنا ہی اُردو کا دامن مالا مال ہو گا۔ اور ترجمہ ہونے والی کتاب کا حلقۂ افادیت بڑھ جائے گا

ہماری دعاء ہے کہ لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں، اور پڑھنے والوں کو میری نصیحت ہے کہ ایسے دقیق فلسفیانہ و متصوّفانہ مسائل کو عقاید و عمل کی بنیاد نہ بنائیں۔ اسلام کا ایک سادہ سا عملی مذہب ہے اور یہی اس کی سب سے پسندیدہ خصوصیت ہے۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جو انوار برسانیوالا، نگاہیں کشادہ کرنے والا اسرار ظاہر کرنے والا اور حجابات دور کرنے والا ہے۔ اور ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "جو کہ سراپا نور الانوار، صفات حسنہ کے مالک، زبردست اور غالب خدا کے پیارے۔ اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے" پر درود نازل ہو جو کفار کو تہ و بالا اور فساق و فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو

اما بعد۔ اے مکرم بھائی خدا تعالی تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیکبختی کی چوٹی تک پہنچنے کیلئے تیری رفتار تیز فرمائے، تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرگیں کرے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو یہ سوال کیا ہے کہ میں تمھیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالی کا یہ ارشاد اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و طاق، چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں

اگر وہ انھیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلادیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گذار گھاٹی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں۔ تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں کے سامنے کھولی جا سکتی ہے اور نہ بیان کی جا سکتی ہے۔ صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ انھیں علماء ربانی ہی جانتے ہیں۔ ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو۔ اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے تعلق و دقائق صرف رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا۔ کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی برا ظلم ہے جتنا کہ نا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فَمَنْ مَنَحَ الْجُهَّالَ عِلْمًا اَضَاعَهٗ ۔۔۔ وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ فَقَدْ ظَلَمْ

جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا اس نے علم ضایع کیا ۔۔۔ اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا

اب تم مختصر کنایات و اشارات ہی پر اکتفا کرو۔ کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کیلئے یہ وقت قطعاً ناکافی ہے اور نہ

اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے ۔کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ چاہتا ہے انھیں کھول دیتا ہے ، اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا ۔

باب اول

اقسام انوار

فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجاز ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں

اولاً تم اس نور کے معنیٰ سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں ۔دوسرے معنیٰ وہ ہیں جو خواص کے نزدیک ہیں اور تیسرے معنیٰ وہ ہیں جس کے اخص الخواص قائل ہیں۔ اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات وحقائق بھی ذہن نشین کر لو تاکہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کرسکیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے ۔ اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کردیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں وہ یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔

نور عامی

عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے ۔ اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے ۔کیونکہ ہر شئے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے ، اس لحاظ سے وہ نسبتہً ظاہر ہوتی اور نسبتہً باطن ، اس کے ظہور کو ادرکات سے منسوب کرنا ضروری ہے ۔ اور عوام کے نزدیک تمام ادرکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصر ہے ۔

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں، اول وہ اشیا جو بالذات دیکھی نہ جا سکتی ہوں جیسے سیاہ جسم۔ ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی اور شئے نہیں دیکھی جا سکتی۔ مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیا ہیں جو خود بالذات بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ اور چراغ وغیرہ، نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام سے کثیف اجسام پر گذرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہو گئی یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور در دیوار کو روشن کرتا ہے۔ ان سب کو نور کہا جاتا ہے

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شئی ہے جو خود بھی دیکھی جا سکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب۔ نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے

نکتہ ۔ نور کی اصل حقیقت ظہور و ادراک ہے۔ اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر ہے اور نہ کسی اور شئی کو ظاہر کرنے والا۔ جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہر کے مساوی ہے جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسۂ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے۔ ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شئی کا ادراک ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے۔ اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھدیا۔

چمگادڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چوندھے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے۔ اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں کا نور مفقود ہے۔ سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تا کہ آنکھ کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپید ہو جاتا ہے۔

اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے۔ اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے

حقیقت

یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے۔ مثلاً وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن خود کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شئی کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شئی کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شئی کو جو پس پردہ ہو۔ یعنی یہ نور صرف اشیاء کے ظاہری حصہ کو دیکھتا ہے لیکن باطن کو دیکھنے پر قادر نہیں۔ موجودات میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کو چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں جو نگاہ سے جدا نہیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان تمام عیوب سے پاک ہے تو وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔

اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں یہ کمال صفت ہو اور وہی آنکھ ہے جسے عقل وروح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معانی بہت ہیں

اس لئے ہم وہی معنیٰ مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد، شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے ممتاز ہو جائے، اور جسے جمہوری اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقائص سے پاک ہے۔

فرق مراتب

۱۔ آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ خود کو عالم و قادر سمجھتی ہے۔ اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی الی غیر النہایہ۔ اور یہ خاصیت ان میں موجود نہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے

۲۔ جو حد سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن عقل کے نزدیک قریب و بعید یکساں ہیں، وہ ایک ہی لمحہ میں تمام آسمانوں کی سیر کرتی اور ایک دم میں زمین کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ فی الواقع اجسام میں جو قرب و بعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، کیونکہ وہ خدا کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ ہوتا ہے گو اس کے مساوی نہ ہو۔ اس سے اس حدیث کا راز عیاں ہو جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہماری اس تقریر پر مزید غور و فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ۔ حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مرادلی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ صورت سے منزّہ ہے۔ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ صُورَتِہٖ کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا آدم کی جانب۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہوتا ہے۔ اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انھی کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہیں اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے مشابہ نہیں۔ م۔ ر

۳۔ آنکھ پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمان کے پردوں، کرسی، ملاء اعلیٰ اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور اپنے قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی، ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ کسی صفت مقارنہ کے باعث خود سے پردے میں ہو جائے۔ اور اس صفت مقارنہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ پلکوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ تیسرے باب میں بیان کرینگے۔

۴۔ آنکھ اشیاء کے ظاہری اور بالائی حصہ کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصہ کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنیسے قاصر ہے۔ عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کرتی اور اسپر حکم لگاتی ہے۔ اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شئی کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیونکر پیدا ہوئی، کتنی اشیاء سے مرکب ہے، اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے، اور دیگر مخلوقات کی جانب اس کی کیا نسبت ہے۔ اسی طرح لاتعداد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ اس کا اختصار ہی بہتر ہے۔

۵۔ آنکھ بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت، اور قوائے مدرکہ یعنی

سونگھنے، سننے اور چکھنے کی قوتوں کو نہیں جانتی۔ بلکہ صفات باطنہ جیسے فرح و سرور، رنج وغم، درد و لذت، عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بیشمار موجودات اس کے احاطۂ علم سے باہر ہیں۔ آنکھوں کی معلومات کا میدان نہایت محدود ہے۔ اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہان کا گذر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں ازحد خسیس ہیں۔ اور اعراض اجسام میں سب سے زیادہ خسیس رنگ و شکل ہے۔ لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں۔ کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہمنے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان تمام موجودات میں تصرّف کرتی اور ان سب پر یقینی اور سچا حکم لگاتی ہو۔ اسرار باطنہ اور مخفی معانی اس کے نزدیک ظاہر ہیں[۱] اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی[۲] نہیں ہو سکتی جو اس پر نور کا اطلاق

---

[۱] اس حد تک تو یہ بات درست ہے کہ عقل کی معلومات آنکھ کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہیں لیکن تب بھی اس کی معلومات محدود ہیں۔ وہ جنت و دوزخ، قیامت، پل صراط، ملاء اعلی اور عالم ارواح کے ادراک سے قاصر ہے اور نہ اسپر کوئی یقینی حکم لگا سکتی ہے۔ اور اگر عقلاً اسپر کوئی حکم لگایا بھی جائے گا تو وہ خود مشکوک ہوگا۔ اس لئے کہ ہر انسان کی عقل مختلف ہے اور ہر ایک کی عقل ایک جداگانہ حکم لگا سکتی ہے۔ اس طرح یہ احکام باہم متضاد ہونگے اور عقل کا حکم عقل سے رد ہو جائے گا۔

[۲] عقل اس قوت کا نام ہے کہ جو شئی مدرکات ظاہرہ اور باطنہ سے معلوم ہو اس پر فیصلہ کرے۔ اور قوائے ظاہرہ و باطنہ مجموعی طور پر دونوں ہیں۔ اس طرح عقل و نگاہ میں مساوات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آنکھ عقل کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور نہ مساوات کے لحاظ سے آنکھ پر نور کا اطلاق کیا جاتا ہے۔۔۔۔

کیا جا سکے۔ وہ غیر کی نسبت سے نور ہے۔ لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات[1] ہے بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں سے ایک مخبر ہے۔ اور یہ سب اس کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے۔ اور وہ رنگ و صورت کا خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں اس کی خبریں پہنچائے اور پھر عقل اس میں جو چاہے حکم لگائے۔ اس کے سوا اور بھی حواس عقل کے مخبر ہیں۔ یعنی خیال، وہم، فکر[2]، ذکر اور حفظ، اور ان کے علاوہ جتنے مدرکات ہیں وہ عقل کے خادم ہیں اور اس عالم موجودہ میں اس کے مقیّد ہیں۔ وہ انھیں اس طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جس طرح کہ بادشاہ اپنے غلاموں کو مقیّد کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کی شرح بھی طویل ہے۔ ہم نے اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۶۔ آنکھ غیر متناہی شئی کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلومہ اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور اجسام متناہیہ ہی متصوّر ہو سکتے ہیں۔ لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے۔ اور معقولات لامتناہی ہیں۔ لیکن جب وہ علوم متحصلہ کا لحاظ کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے۔ غیر متناہی سے مراد وہ شئی ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصوّر کرے ورنہ شرعًا خدا کے علاوہ کوئی شئی غیر متناہی نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عقل اس کی انتہا کو معلوم نہ کر سکے۔ اور یہ خود عقل کے نقصان کی دلیل ہے۔ مثلاً علم حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی نہایت نہیں (نہایت نہ ہونا اور شئی ہے اور

---

[1] اور ہر عقل اپنے سے بالاتر شئے اور عقل کے مقابلے میں ظلمات ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام یقینی امور بھی ظنیات سے تبدیل ہو جائینگے۔ مثلاً علم ایک نور ہے اور عقل علم کا ایک ذریعہ ہے۔ لہذا عقل علم کے مقابلے میں ظلمت ہوگی اور ہر علم اپنے سے بالاتر علم کے مقابلے میں ظلمت ہوگا۔ جس سے یہ ثابت ہوگا کہ بجز علام الغیوب کے کسی کو عالم کہنا جائز نہیں اور نہ اس کے علم کے علاوہ کسی کے علم کو نور کہا جا سکتا ہے اس طرح تمام امور یقینیہ بھی کالعدم ہو جائینگے۔

[2] قوت فکر قوت عقل کا دوسرا نام ہے۔ وہ عقل کے تحت داخل نہیں بلکہ بعض فلاسفہ کے نزدیک عقل اس کے تحت داخل ہے کیونکہ غور و فکر بغیر عقل کے ممکن نہیں۔ اس طرح عقل فکر کا ایک ذریعہ ہوئی۔

اس کا علم نہ ہونا اور شئے ہے اگر انتہا نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔ اور تسلسل محال ہے بلکہ دو تین اور باقی اعداد کے المضاعف کو معلوم کر لیتی ہے جن کی نہایت متصوّر نہیں اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں اور جب وہ خود لامتناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شئی کیسے لامتناہی ہو سکتی ہے" عقل اپنی کسی شئی کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے۔ اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شئی کا علم رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا اس کے علم کے علم کو بھی جانتی ہے۔ اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہا پر نہیں ٹھہرتی۔ (فلاسفر اس کے قائل ہیں کہ ہر شئی کی ایک نہ ایک انتہا ہے۔ اور اگر اس کی انتہا نہ ہو تو عقلی انتہا ضرور ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شئی کی انتہا ہے)

۷۔ آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش نیلگوں پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر۔ لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے کئی حصہ بڑے ہیں۔ آنکھ تاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے بچہ کو اپنی مقدار میں ساکن دیکھتی ہے۔ لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ بڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ سایہ حرکت کرتا ہے۔ تارے ایک لحظہ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث[1] میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کیا سورج ڈھل گیا۔ انھوں نے کہا نہیں۔ اور ہاں۔ آپ نے فرمایا اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانسو سال کا راستہ طے کر گیا۔ آنکھ کی غلطیوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک[2] ہے۔

---

[1] یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اور امام غزالی محدث نہیں ہیں جو ان کی روایت پر اعتماد کر لیا جائے اسی قسم کی روایات کو دیکھ کر منکرین حدیث حدیث کا انکار کرتے ہیں اور دیگر اقوام اسلام کا مذاق اڑاتی ہیں۔

[2] عقل غلطی سے مبرا نہیں بلکہ جتنی بھی برائیاں وجود میں آتی ہیں وہ عقل کی غلطی کی بنا پر آتی ہیں عقل ایک شئی کو بہتر سمجھتی ہے حالانکہ وہ بُری ثابت ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (بعض اوقات تم کسی شئی کو برا سمجھتے ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے) وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ (بعض اوقات تم کسی شئی کو بہتر سمجھتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بُری ہوتی ہے، بعض اوقات انسان اپنی عقل کے مطابق تدابیر اختیار کرتا ہے لیکن وہ سب کالعدم ہوتی ہیں اور دوسرا شخص بغیر عقل و تدبیر کے اس میں کامیاب ہو جاتا ہے بہت سے عقلاء دھکے کھاتے پھرتے ہیں لیکن بہت سے بد عقل کوٹھیوں کے مالک نظر آتے ہیں جس سے یہ نتیجہ ظاہر ہے کہ عقل میں بھی نقائص ہیں اور اس پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات و وہم کبھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں۔ اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں۔ حالانکہ یہ دراصل ان خیالات کی غلطی ہے۔ ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محک النظر میں کی ہے۔ اور عقل جب کہ وہم و خیال سے مجرد ہو تو اس میں غلطی متصوّر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے۔ لیکن اس کا تنہا ہونا دشوار ہے۔ ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی۔ اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اسرار ظاہر ہو جائینگے۔ (گویا جب تک عقل مجرّد وجود میں نہ آئے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں ہو سکتا) اور ہر شخص اپنی اچھائی اور برائی کو جسے وہ آگے پہنچا چکا ہوگا موجود دیکھیگا۔ اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی) اس حال میں اس سے کہا جائے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ○ (آج ہمنے تجھ سے تیرا پردہ اٹھالیا ہے۔ آج تیری آنکھ تیز ہے) اور وہ خیالات و توہمات ہی کے پردے ہیں۔ اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور رہ چکا ہوگا کہیگا اے ہمارے پروردگار ہمنے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیجئے کہ اچھے عمل کریں۔ اب ہمیں یقین آگیا ہے۔

عقل کی رویت یکساں نہیں

یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اگرچہ عقل دیکھنے والی ہے۔ لیکن وہ تمام اشیاء جنھیں وہ دیکھتی ہے یکساں نہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضروریہ۔ مثلاً۔

---

[۱] آخر وہ کون سی عقل ہے جو خیالات سے مجرّد اور غلطی سے مبرّا ہو۔ آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کسی انسان میں تو یہ صفت نہیں پائی گئی۔ اور اسی لئے یہ تعلیم دی گئی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اور جب بقول غزالی عقل غلطی اور خیالات سے مبرّا نہیں ہو سکتی تو جس شئی کا وجود نہیں اس پر فضول بحث کرنا یہ بھی عقل کی ایک غلطی ہے۔

اس کا یہ علم کہ ایک شئی قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی۔ کوئی شئے معدوم و موجود نہیں ہو سکتی۔ اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ اور جب بھی کسی شئے کیلئے حکم ثابت ہو گا تو اس کے مثل کیلئے بھی لازماً ثابت ہو گا۔ اور جہاں خاص پایا جائے گا وہاں عام ضرور پایا جائے گا۔ جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا۔ جب بھی انسان کا وجود ہو گا تو حیوان کا وجود ضرور ہو گا۔ لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے۔ جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور ہیں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشن دکھائی جائے۔ جیسے امور نظریہ۔ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے۔ پس نورِ حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے کلام میں علی الخصوص قرآن مجید۔ عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیسا کہ نورِ آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل۔ کیونکہ آنکھیں صحیح کام اسی کے ساتھ کرتی ہیں۔ اسی لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے۔ جس طرح آفتاب کے نور کو نور کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کے نور کے مثل ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے[1] اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا

اللہ اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے

---

[1] اس تقریر سے خود عقل کا نقص ظاہر ہو گیا۔ حالانکہ مصنف نے اولاً اس کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ نقائص سے پاک ہے۔

اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

تمھارے پاس تمھارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمھارے طرف ظاہر نور نازل کیا

نتیجہ

اس تقریر سے جب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ آنکھیں دو ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے اور نگاہ باطنی کا تعلق عالم آخر سے۔ اور عالم آخر عالم ملکوت ہے۔ اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کیلئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہوتی ہے آفتاب بھی دو ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے۔ اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

جب یہ بات تمھارے ذہن نشین ہو گئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک در کھل گیا۔ اور عالم ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سی شئے ہے۔ اور جس شخص نے اس جہاں کا سفر نہ کیا ہو اور تا ہنوز وہ اسی جہاں کی پستی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایہ ہے جو انسانی خاصیت سے محروم ہے۔ بلکہ حیوانات سے بھی بدتر، اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہان کی طرف اڑنے کی طرف قدرت ہی نہیں دی گئی۔ بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا۔ یا روح کے مقابلہ میں صورت و شکل۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی۔ اسی لئے عالم ملکوت کو عالم روحانی، عالم

نورانی داور عالم علوی بھی کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور
اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے۔ یہ تصوّر نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں
کیونکہ وہ تو عالم شہادت وحس کے مقابلے میں بلند ہیں ان کے دریافت کرنے میں
تو حیوانات بھی شریک ہیں۔ لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کیلئے ملکوت کے
دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اسکے
حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے
یہ نہیں کہ جو شئی اس کے حس وخیال کے نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے
وہ آسمان ہے بلکہ جو شئے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے۔ اور جو شخص
قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے۔

انسان اسفل السافلین میں گرا ہوا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب
ترقی کرتا ہے۔ لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق درگاہ
خداوندی سے ہے۔ ان میں سے بعض عالم اسفل کی جانب بھی جھانکتے ہیں۔ اسی لئے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت
میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں
کے اعمال سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی
عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اور
عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہو گا اسے قرب
خداوندی حاصل ہو گا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ یعنی اس کے پاس
سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں۔ کیونکہ عالم شہادت
اس عالم کے آثار میں داخل ہے۔ اُس کے ساتھ اِس کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ
سایہ کا وجود انسانی سے۔ پھل کا پھل دار درخت سے اور مسبب کا سبب سے

تعلق ہوتا ہے۔ اور مسببات کی معرفت اسباب پر موقوف ہے۔ اسی لئے عالم شہادت عالم ملکوت کی ایک تمثیل ہے جیساکہ مشکواۃ و مصباح اور شجرہ کے بیان میں آئے گا۔ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کی مشابہت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی حکایت ایک قسم کی حکایت ہے۔ قریب ہو یا بعید۔ یہ وہ غور و فکر کا وقت ہے جو شخص اس حقیقت سے واقف ہوگا اسپر قرآن کی تشبیہات آسانی سے ظاہر ہو جائیں گی

نکتہ

ہم کہتے ہیں کہ جو شئے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہو اس چیز کی بہ نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے اس کا نام نور رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں۔ اور یہ وصف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے اور تمام انبیاء بھی چراغ ہیں اور علماء بھی۔ لیکن ان میں اور ان میں بڑا فرق ہے

نکتہ

جب ایسی شئے کا نام روشن چراغ رکھ سکتے ہیں جس سے لگاہوں کا نور فائدہ حاصل کرتا ہو تو جس سے چراغ خود نور حاصل کرتا ہے اس کی جانب آگ سے اشارہ کرنا زیادہ لائق ہے۔ یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح فوراً روشن ہو جاتی ہے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے لیکن اگر اسے آگ چھوئے تو پھر تو وہ نور علیٰ نور ہے۔ تو اس صورت میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ زمینی ارواح علوی ارواح سے نور حاصل کریں۔ جن کی تعریف حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے

میں ستر ہزار منھ ہیں اور ہر منھ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام ملائکہ کے مقابل ہے[1]۔ پھر کہا گیا ہے جس دن کہ روح اور ملائکہ صف باندھکر کھڑے ہونگے اور اگر ان کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ ان سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو ان کی مثال بجز آگ کے اور کچھ نہ ہوگی[2]۔ اور یہ سوائے کوہ طور کے ظاہر نہ ہوگی۔

وہ آسمانی انوار جن سے زمینی چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اگر ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ بعض بعض سے انوار حاصل کرتے ہیں تو منبع اول کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کے نام کا زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر گرتے ہوئے دیکھے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہو جو اس آئینہ کے مدمقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے۔ تو زمین پر جو نور ہے وہ دیوار کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ کے نور کے تابع اور آئینہ کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے۔ کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں۔ بعض بعض سے اعلیٰ و اکمل ہیں۔ اور ہر ایک کیلئے ایک مقام و درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھوں والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی

---

[1] یہ روایت قطعاً موضوع ہے۔ غالباً گھڑنے والے کو ستر کا عدد بہت محبوب تھا۔
[2] اس سے یہ لازم آئے گا کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ حالانکہ تمام امت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے زیادہ افضل بھی ہیں اور ان سے زیادہ عالم بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم ہی کے ذریعہ فضیلت بخشی تھی۔ زمینی چراغ فرشتوں سے نور حاصل نہیں کرتے بلکہ براہ راست خدا سے نور حاصل کرتے ہیں اگرچہ بعض اوقات فرشتے انبیاء تک پیغام رسانی کا انجام دیتے ہیں

ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام کا رتبہ جبریل علیہ السلام سے بڑھکر ہو[1] اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا درجہ حضرت ربوبیت سے جو منبع الانوار ہے قریب ہو۔ ان فرشتوں میں ادنی درجہ کے بھی ہیں۔ ان میں بہت سے درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آسکتے ہیں۔ ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیساکہ خود انھوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہو

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ — ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا متعین مقام نہ ہو

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ — اور ہمیں صفیں باندھے ہوئے ہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ — اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ انوار کیلئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ غیر متناہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کیلئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے۔ اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا۔ اسی سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شئے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہو زیادہ مناسب ہے یا اس ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے جو اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے۔ اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی رہے تو میرے کوئی حجت نہیں۔ اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور کا اسم ایسے نور پر بولنا زیادہ مناسب ہے جو نور اعلیٰ ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اسی کی جانب سے اوروں پر نور گرتا ہے

---

[1] یہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت جبریلؑ تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حقیقت

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور اول کے علاوہ اوروں پر بولنا مجازی ہے۔ کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے بے نوا ہو گا۔ بلکہ اس کا نور غیر مانگا ہوا ہو گا۔ اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہو گا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہو گا اور مستعیر کی مستعار منہ سے نسبت مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے، گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لیلے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور غنی ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہو گا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہو گا جیسا کہ پہلے تھا۔ غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہو گا جس سے وہ شئے عاریتاً لی گئی ہے۔ اور اس کی جانب رجوع اور اسی سے ابتدا ہے

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ فی الحقیقت نور تو اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے۔ اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ یہ صرف شرکت لفظی ہے۔ اور یہ نام رکھنے میں اس کو اسپر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے۔ جس وقت کہ مالک غلام کو مال دیکر اس کا نام مالک رکھ دے۔ لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کی ملک میں ہے اور اس میں اس کا کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ کیونکہ اندھیرا کرنے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کیلئے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ آنکھ کیلئے موجود

ہوتا ہے حالانکہ وہ بالذات موجود ہے۔ اب جو شئے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کیلئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہوگی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل وجود ہے اور وہی نور ہے۔ کیونکہ جو شئے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ غیر کیلئے بھی ظاہر نہ ہوگی۔ وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے

اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔

ثانیاً۔ اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہوگا۔ کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقتہً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور[1] صرف اللہ تعالیٰ ہے

حقیقت حقائق

اس حقیقت سے عارفین مجاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انھوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شئی فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً اور ابداً ہلاک ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کا تصوّر اسی طرح ممکن ہے۔ اسلئے کہ جو شئی اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیث الذات لحاظ کیا جائے گا تو وہ عدم محض ہوگی۔ اور جب اس کا

---

[1] اللہ کیلئے بھی نور کا اطلاق مجازی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نور کا پیدا کرنے والا ہے تو نور اس کی ایک مخلوق ہے اور خالق و مخلوق ہرگز ایک نہیں ہوتے۔ یہ صرف مخلوقات کو سمجھانے کے لئے تشبیہ ہے۔ اسی باعث بہت سے مفسرین نے نور کے معنی روشن کرنے والے کئے ہیں۔

اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا۔ لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے موجود صرف ذات خداوندی ہوگی۔

ہر شئے میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں۔ ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پروردگار کی جانب۔ تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں اللہ کے علاوہ ہر شئے ازل و ابد میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین قیام قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آواز سنیں کہ آج ملک کس کا ہے۔ اللہ اکیلئے قہار کا بلکہ یہ ندا ان کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی انھوں نے لفظ اَللّٰہُ اکبرُ سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے۔ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو۔ بلکہ غیر کیلئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں غیر کو تو اس کے تابع رہنے کا رتبہ حاصل ہے بلکہ غیر کو وجود بھی اسی باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔ اور فقط اس کی ذات موجود ہے۔ اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے۔ اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ کیونکہ ہر پہچانی ہوئی شئے عارف کے سلطان و غلبہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ بات اس کے جلال و کبریا کے منافی ہے۔ ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنیٰ فی معانی الاسماء الحسنیٰ میں کی ہے

عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اسپر متفق ہیں کہ انھوں نے وجود میں سوائے ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی

اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذوقی و حالی ہوتی ہے۔ ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتیٰ کہ اپنے ذکر کی بھی۔ ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ ان پر اتنا نشہ چھاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض نے اَنَا الحَقّ (میں خدا ہوں) بھی کہدیا۔ اور ایک نے کہا سُبحَانِی مَا اَعظَمُ شَانِی (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا مَا فِی الجُبَّۃِ اِلَّا اللّٰہ (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عشاق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا۔ اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں خدا کی ترازو ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حقیقت اتحاد نہ تھی بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے

اَنَا مَنْ اَھْوٰی وَمَنْ اَھْوٰی اَنَا　　　نَحْنُ رُوحَانِ حَلَلْنَا بَدَنَا

یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں وہ میں ہوں　　ہم دو روح میں ہیں جو کہ بدن میں داخل ہیں

یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اچانک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہوا ور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے ملحق ہے۔ اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس کا رنگ ہے۔ اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے

رق الزجاج ورقت الخمر　　　وتشابھا فتشاکل الامر

فکانما خمر ولا قدح　　　وکانما قدح ولا خمر

گلاس رقیق ہے اور شراب بھی رقیق ہے وہ اس کے مشابہ ہے گویا کہ امر اس کے لئے میں مشتبہ ہو گیا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں اور پیالہ ہے اور شراب نہیں

جب یہ حالت غالب ہو جاتی ہے تو یہ اصل حال کی بہ نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فناء الفناء ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس سے بھی اور اس کے فنا ہونے سے بھی فنا ہو چکا ہے۔ وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں اور نہ اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں۔ اگر اسے اپنے نفس کے عدم شعور کا شعور ہوتا وہ خود کو پہچانتا اور اس حالت کو جس میں یہ غرق ہو چکا ہے زبان مجاز میں اتحاد کہتے ہیں اور حقیقت کی زبان میں توحید۔ ان حقائق کے سوا بھی ایسے اسرار ہیں جن میں غور و فکر جائز نہیں

خاتمہ

تم شاید یہ بھی چاہتے ہو گے کہ خدا کے نور کی آسمان اور زمین کی طرف نسبت کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے بلکہ اس کی وجہ بھی کہ وہ بذاتہ آسمانوں اور زمیں کا نور ہے۔ اور تم پر یہ بات مخفی رہنا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ جب تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ نور ہے۔ اور اس کے سوا کوئی اور نور نہیں وہی مجموعۂ انوار ہے اور وہی نور کلی ہے۔ کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے جس سے چیزیں ظاہر ہوں۔ اور اعلیٰ درجہ کا نور وہ ہے کہ جسکے سبب سے اور جس کیلئے اور جس سے ظہور ہو۔ اور حقیقی نور وہ ہے کہ اس کے سبب اور اسی کیلئے ہو اور اسی سے انکشاف ہو اس سی بڑھکر کوئی نور نہیں جس سے نور کا اقتباس ہو۔ بلکہ یہ نور اس کیلئے اپنی ذات سے فی ذاتہ ہے اور اپنی ذات کیلئے ہے نہ کہ غیر سے

جب تمھیں یہ معلوم ہو چکا کہ نور اول کے علاوہ یہ امر کسی کیلئے متصور نہیں ہے اور نہ کوئی اور اس سے متصف ہو سکتا ہے تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ آسمان و زمین دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں وہ دونوں نور جو بصارت اور بصیرت کی جانب منسوب ہیں یعنی حس

اور عقل کی طرف۔ بصری نور وہ ہے جس کا ہم آسمانوں پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی سورج چاند، ستارے اور جیسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں یعنی شعاعیں جو کہ روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں حتیٰ کہ اس کے باعث مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں۔ علی الخصوص موسم ربیع میں۔ نیز وہ شعاعیں حیوانات نباتات معادن اور موجودات کے تمام اقسام پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا ظہور بلکہ وجود بھی نہ ہوتا۔ پھر حس کیلئے جو مقداریں اور شکلیں ظاہر ہوتی ہیں، تو ان سے تبعاً رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے ادراک کا تصور انھی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

رہے انوار عقلیہ اور معنویہ تو ان سے تمام عالم اعلیٰ معمور ہے اور وہ جواہر ملائکہ ہیں۔ اور عالم اسفل بھی اس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے۔ انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیساکہ نور ملکی سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے

وَهُوَ الَّذِىٓ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ — اور وہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا۔

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا — اور تمھیں زمین میں آباد کیا

اور فرمایا

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْأَرْضِ — وہ انھیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا

ایک مقام پر ارشاد ہے

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ — اور وہ تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے

ایک اور مقام پر ارشاد ہے

إِنِّى جَاعِلٌ فِى الْأَرْضِ خَلِيفَةً — میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

جب تمھیں یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ بصریہ اور باطنہ عقلیہ سے معمور ہے۔ اور یہ بھی ہوگیا ہوگا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ انھی کے اجزا ہیں جس طرح کہ چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے۔ اور چراغ دراصل نور نبوی اور ارواح نبویہ قدسیہ ارواح علویہ سے اسی طرح نور حاصل کرتی ہیں جس طرح کہ چراغ تیل سے نور حاصل کرتا ہے۔ پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن و منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہی وحدہ لاشریک ہے۔ صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے ماخوذ ہیں اسلئے وہی کل ہے وہی وہی ہے اور غیر کیلئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں۔ صرف اسی کا نور ہے اور انوار اسی باعث انوار ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں۔ اپنی ذات سے وہ قطعاً موجود نہیں۔ اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کیلئے اس کی ذات کافی ہوا اور جدھر بھی منھ کرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کیلئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں۔ چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ انوار و ارواح ہیں۔ بلکہ جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ "وہ" اسے کہتے ہیں جسکی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ کسی کی جانب اشارہ نہیں۔ بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا۔ اگرچہ تو اسے ان اشیاء مذکورہ کے حقائق کے حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا۔ جیسے نور آفتاب کی جانب اشارہ نہیں ہوتا بلکہ

آفتاب کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جتنی اشیاء موجود ہیں ان کی اس کی طرف نسبت ظاہر مثال میں ایسی ہی ہے جیسا کہ نور کی آفتاب کی طرف

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه عوام کی توحید ہے اور لَا هُوَ اِلَّا هُوَ (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید[1] ہے۔ کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیڑھی نہیں۔ کیونکہ کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں۔ اسلئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی ہے کہ اس سے چڑھاؤ ہو۔ اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نہ بلندی ہے نہ پستی، نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے والا۔ ترقی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار۔ اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں۔ وحدت کے ساتھ کثرت نہیں۔ اور کثرت ختم ہو جانیکے بعد سیڑھی کا بھی وجود باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر وہاں کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی

---

[1] اول تو لا الٰہ الا اللہ کلام خداوندی ہے اور کلام خداوندی سے زیادہ توفیق اور زیادہ خاص کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ کلام اللہ کی صریح توہین ہے۔ ثانیاً۔ اللہ تعالیٰ نے خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں فرمائی بلکہ جو حکم عام لوگوں کو دیا وہی رسولوں کو بھی دیا۔ ثالثاً۔ لا ھو الا ھو کا کلمہ شریعت سے نہ عوام کیلئے ثابت ہے اور نہ خواص کیلئے بلکہ اس کا شریعت میں وجود ہی نہیں۔ تو یہ دین میں مداخلت اور اضافہ ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہے رابعاً۔ یہ جملہ ہی غلط ہے اسلئے کہ اس کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ "نہیں ہے وہ مگر وہ" اس طرح اس کا وجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی اور وجود دونوں لازم آتے ہیں اور یہ محال ہے اور مصنف نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ لا ھو الا ھو کے معنیٰ نہیں بلکہ لا الا ھو کے معنی ہیں۔ اور عربی لحاظ سے دونوں میں بین فرق ہے

جانب اترنیکے باعث ہے یعنی بلندی سے پستی کی طرف جھکنے کی وجہ سے۔ کیونکہ اعلیٰ کیلئے اگرچہ کوئی اور اعلیٰ نہیں لیکن اسفل ضرور ہے۔ سو یہ تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار کرتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جب وہ اسے بیان کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علاوہ جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے۔ اسلئے کہ بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اسلئے کہ اس فردانیت کے غریق نے تو یہ کہا ہے کہ اس کیلئے دنیاوی آسمان کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا یہ نزول استعمال حواس یا تحریک اعضاء کی جانب ہے اور اسی کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اور جب کہ خدا اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہے تو اور کوئی نہیں ہوتا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ الحدیث

پس اس موحد کی آسمان دنیا سے حرکات ہیں۔ اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی عقل اس سے بھی بالا ہے۔ وہ آسمان عقل سے مخلوق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں۔ اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر مستوی ہوتی ہے۔ اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اسپر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا

یہ قول کہ میں خدا ہوں اور میں پاک ہوں۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ اور میں اس کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں

مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اسلئے کہ اس سے زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کو حاصل کرنے سے قبل ہی تمہاری ہمّت جواب دی جائے۔ اسلئے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

مثلاً تم خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنیٰ ظاہری نور لیتے ہو یعنی آنکھوں والا نور۔ مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بسا اوقات تجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ تو رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔ ایک قوم نے اسی پر اصرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنیٰ نہیں۔ اور یہ کہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس طرح انھوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیأ کا ظہور ہے۔ وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ لیکن غروب آفتاب کے وقت، یا چراغ گل ہونے کے وقت، اور سایہ ڈھیل جانے کے وقت، وہ محل سایہ اور روشنی کے درمیان ضرور فرق محسوس کرتے ہیں۔ مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شئے ہے کہ جو رنگو کے علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا۔ اور زیادتی ظہور کے سبب مخفی ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے۔ اور جب کوئی شئے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ جان لو کہ عاقلوں نے جس شئے کو دیکھا ہے تو

اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی شئے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے۔ کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں۔ تخیل اول کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے
اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝ کیا تیرا رب ہر شئے پر گواہی کیلئے کافی نہیں

اور دوسرے تخیل کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے
سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِہِمْ عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں دکھائینگے
پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے
اوّل درجہ صدیقین کا ہے، دوسرا علمائے راسخین کا اور ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی درجہ نہیں

جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شئے آنکھ کیلئے نور ظاہری سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کیلئے ہر شئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے پس وہ ہر شئے کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اسی سے ہر شئے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہو جاتا ہے لیکن خود اس کا غائب ہونا متصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے۔ وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

گویا طریقۂ استدلال تفرقہ پر منقطع ہوا۔ اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہوتو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں ہاں اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔ لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ ان کا خالق ایک ہے۔ اور ہر شئے اسی کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء۔ اور تمام

اوقات میں کرتی ہیں نہ کہ بعض اوقات میں تو تفریق ختم ہو جاتی ہے اور طریق مخفی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہری قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر شئے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ جس شئے کی ضد اور نقیض نہ ہو تو ظاہر ہیں ان کا حال یکساں ہو گا۔ تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مخفی ہو اور اس کا یہ خفا زیادتی ظہور کے سبب ہو۔ اور روشن کی چمک کے باعث انسان اس سے غافل ہو جاتا ہو۔ پس وہ پاک ہے جو کہ مخلوق سے اپنے ظہور کے باعث مخفی ہے اور اپنے نور کے سبب مخلوق سے پردے میں ہے۔ بعض اوقات کوتاہ فہم اس کلام کو نہیں سمجھتے

ہماری اسی تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کے ساتھ ہو جیسا کہ اشیاء کے ساتھ نور ہے بلاشبہ وہ ہر جگہ ہے لیکن وہ اس سے بلند و پاک ہے کہ کسی مکان کی اس کی طرف نسبت کی جائے۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ہر شئے سے قبل ہے اور یہ کہ وہ ہر شئے کے ادھر ہے اور یہ خیال کہ وہ ہر شئے کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور صاحب عقل کے نزدیک ظاہر کرنے والا ظاہر شئے سے جدا نہیں ہوتا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر شئی کے ساتھ ہے اس کا مقصود یہی ہے۔ اور یہ بھی تم پر مخفی نہیں کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے قبل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اگرچہ اس سے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا کہ ایک حیثیت سے وہ اس کے ساتھ ہے اور ایک لحاظ سے اس سے قبل۔ تو کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ یہ باہم نقیض ہیں۔ تو انھی محسوسات کو پیش نظر رکھ کہ جنکی معرفت میں تیرا حصہ ہے۔ اور خیال کر کہ ہاتھ کی حرکت ہاتھ کے سایہ کے ساتھ کیسے ہوتی ہے اور اس سے قبل کیونکر۔ اور جس شخص کا سینہ اس معرفت کیلئے کشادہ نہ ہو اسے اس عالم کی راہ ترک دینی چاہئے۔ کیونکہ ہر علم کیلئے خاص افراد ہوتے ہیں اور جس فن کیلئے وہ پیدا ہوا ہے اس کیلئے وہی سہل ہوتا ہے

باب دوئم

مشکواۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح

اس کا بیان اس کا طالب ہے کہ اس سے قبل دو قطب ہوں جن میں غیر محدود وسعت پائی جاتی ہو۔ لیکن میں ان جانب رمز وکنایہ سے اشارہ کرنے پر اکتفا کرونگا۔

قطب اول ۔ اس بیان میں ہے کہ اس مثال میں کیا سر ہے اور معانی کو تمثیلات کے طور پر بیان کرنے کی وجہ کیا ہے اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت میں کہ جس سے معانی کا نزول ہوتا ہے ان کی باہم مناسبت کیا ہے۔ اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے

قطب دوئم ۔ اس میں ارواح بشریہ اور اس کے انوار کے طبقات کا بیان ہے کیونکہ یہ تمثیل اس کے بیان کرنے کیلئے دلائی گئی ہے۔ اور ابن مسعود کی قرأت یہ ہے

مَثَلُ نُوْرِہٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا

مؤمن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اسکے دل میں چراغ ہو

ابی بن کعب نے اسے اس طرح تلاوت کیا ہے

مَثَلُ نُوْرِ قَلْبِ مَنْ اٰمَنَ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا

مؤمن کے دل کے نور کی مثال چراغ کی طرح ہو

قطب اوّل

تمثیل اور طرز تمثیل کا راز

عالم کی دو قسمیں ہیں ۔ روحانی اور جسمانی یا اسے حسی اور عقلی سے تعبیر کرلو اور خواہ اسے علوی اور سفلی کہو ۔ یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں ۔ صرف عبارات مختلف ہیں اگر ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں ۔ اور اگر آنکھ کے

اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انھیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی وحسی ہیں۔ اور
اگر ان کا ایک دوسرے کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے گا تو یہ علوی وسفلی ہیں۔ بعض
اوقات ایک کو عالم الملک والشہادہ اور دوسرے کو عالم الغیب والملکوت بھی
کہتے ہیں جو شخص حقیقت الفاظ پر نظر ڈالتا ہے وہ ان کی کثرت سے حیران ہوتا ہے
اور جس شخص پر حقائق عیاں ہو جاتے ہیں وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع
سمجھتا ہے لیکن کمزور شخص کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ حقائق کو الفاظ سے
تلاش کرتا ہے۔ ان ہر دو فریق کی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے
اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○
کیا وہ شخص جو اندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھی راہ پر چل رہا ہو
جب ہر دو جہان کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہ بھی جان لو کہ عالم ملکوتی وعلوی کو عالم
غیب کہا جاتا ہے۔ اسلئے کہ وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہے اور عالم حسی کو عالم
شہادت وظہور کہتے ہیں۔ کیونکہ اسے تمام لوگ دیکھتے ہیں

عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا
تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی۔ اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب دشوار
ہوتا بلکہ اس سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تا وقتیکہ وہ عالم قدس کے بڑے
بڑے میدان طے نہ کرلے۔ جو عالم ادراک اور حس وخیال سے بلند ہے ہم اسے عالم
قدس کہتے ہیں۔ اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شئے
باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی شئے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیر القدس
یعنی بہشت کہا جاتا ہے۔ اور لبسا اوقات ہم اس روح بشری کو جو قدس کی روشنیوں
کی گذرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر ان میں بہت سے بہشت
ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ دخیل ہیں۔ لیکن خطیرہ کا لفظ تمام طبقات کو شامل ہے

یہ وہم نہ کرو کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں۔ اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے۔ اسلئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب رجوع کرو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اسی کو دین اور منازل ہدایت کہا جاتا ہے۔ اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا۔ پھر رحمت خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے۔ اس لحاظ سے اس جہان میں کوئی شئے ایسی نہیں جو اس عالم کی کس شئے کی مثال نہ ہو۔ اور بعض اوقات ایک ہی شئی عالم ملکوت کی چند اشیاء کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شئے کیلئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو۔ ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ قدرت انسانیہ سے باہر اور قوت بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور تھوڑی عمریں اس کیلئے کافی نہیں

میرا منشاء یہ ہے کہ تمھیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر امور بقیہ امور کیلئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر عالم ملکوت جو جواہر نورانیہ ہیں انھیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انھیں سے ارواح بشریہ پر انوار گرتے ہیں۔ اسی باعث انھیں رب[1] کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ رب الارباب ہوا۔

نورانیت میں ان کے مراتب مختلف ہیں۔ اور عالم شہادت میں ان کی مثال چاند سورج اور ستارے ہیں۔ اس راہ کا چلنے والا اول ستاروں کے درجہ تک ترقی کرتا ہے

---

[1] فرشتوں کیلئے رب کا لفظ نہ قرآن وحدیث میں ہے اور نہ آج تک کسی امام اور عالم نے انھیں رب کہا ہے

تو اس پر نور کی چمک ظاہر ہوتی ہے اور اس پر اس کا ایسا جمال اور بلند درجہ کھلتا ہے کہ وہ پکار اٹھتا ہے اور کہتا ہے یہ میرا رب ہے

پھر جب اسے آگے بڑھکر چاند کا رتبہ معلوم ہوتا ہے تو پہلے ستارے کے غروب کو ایک وہم خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا اسی طرح ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ آفتاب کی مثال تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے دیکھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور بلند ہے۔ اس کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت کے مثال کے قابل ہے اور نقصان دار کے ساتھ نقص اور غروب کی مناسبت بھی ہے پس اسی باعث گویا ہوتا ہے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ میں نے اپنا چہرہ خالص طور پر اس ذات کے سامنے کر دیا
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ جسنے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور میں مشرکوں میں نہیں

الذی ایک مبہم اشارہ ہے اسے اس سے کوئی مناسبت نہیں۔ اسلئے اگر کوئی یہ کہے کہ الذی کے مفہوم کی کیا مثال ہے تو اس کا جواب تصور میں بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر مناسبت سے پاک ہے۔ اور اسی لئے جب بعض بدویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کی کیا مناسبت ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے۔ نہ
وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٥ جنتا ہے اور نہ جنا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے

اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ ہر نسبت سے پاک ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا ما رب العلمین۔

جیسے کوئی ماہیت کا طالب سوال کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے افعال ہی سے جواب دیا تھا۔ کیونکہ سائل کے نزدیک اس کے افعال ہی زیادہ ظاہر تھے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ فرعون سے اپنے

حاشیہ نشینوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں۔ گویا وہ اس پر معترض تھا کہ موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا بھی رب ہے۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا۔ اسلئے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے۔ اسی باعث فرعون نے کہا تھا تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے

آمدم برسر مطلب۔ علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائے گی اسلئے کہ خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت و مشابہت ہے۔ وہ سب پر بلند ہے اور اس کے انوار و آثار کا سب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاند ہی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے جیسا کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے غائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ یا مثلاً جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اسے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل اذان دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطہ مقدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں وہ اشیاء پائی جاتی ہیں جن کی مثال آفتاب، چاند اور تارے ہیں۔

اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں۔ اور علی الخصوص جب کہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ نورانیت کا لحاظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شئے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں۔ بڑی ہے چھوٹی نہیں اور اس سے معارف و مکاشفات کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر دلوں کی جانب جارہے ہوں تو اس کی مثال طور ہو سکتی ہے۔ اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفائس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفائس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں۔ اور بعض ان میں سے غوطہ زن ہیں

مناسب یہ ہے کہ اول وادی ایمن ہو کیونکہ وہ بہت بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی ایمن کے انتہائی درجات سے ملحق ہے تو وہ شخص وادی ایمن کے کنارے پر غوطہ زن ہے۔ ایسا شخص وادی کے درمیان اور بھنور میں غوطہ زن نہیں۔ اگر نبی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ہم نے روح کو اپنا حکم دے کر آپ کے پاس بھیجا

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں۔

اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انگار اور چنگاری کی ہے۔ اور صاحب ذوق بعض احوال میں نبی کا شریک ہوتا ہے۔ اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکتا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے۔ ورنہ وہ اس کی خبر نہ سنتا اگر

انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حس وخیال سے عالم مقدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادی مقدس۔ اور اس وادی مقدس کا طے کرنا دونوں جہاں کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں۔ اور دنیا و آخرت دونوں باہم بالمقابل ہیں۔ وہ دونوں دنیا و آخرت کے عوارض ہیں۔ ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا۔ ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ قدس کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے۔ بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کر کے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسی شئے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم منفصل جواہر قابلہ میں نقش پذیر ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے۔ اور اگر ان میں ایسے جواہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح۔ کتاب اور رق منشور یعنی صحیفہ روشن ہے۔ اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھکر کوئی اور شئے ہے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہے تو اس کی مثال ہاتھ ہے۔ اور اگر اس درگاہ کی جو کہ ہاتھ، لوح و قلم اور کتاب پر مشتمل ہے کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے۔ اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمٰن پر ہے۔ اور اس بات میں وہ صورت رحمٰن پر ہے اور اس بات میں کہ وہ اللہ کی صورت پر ہے بین فرق ہے۔ کیونکہ وہ رحمت الٰہی جو صورت الٰہی پر ہے وہ اسی صورت کے ساتھ متصف ہے

خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر مہربانی فرمائی اور انھیں وہ مختصر سی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ گویا کہ وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر سے جہاں کا نسخہ ہے۔ اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الٰہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ اس کا خط

تحریر و حروف سے پاک ہے۔ جیساکہ اس کا کلام آواز و حرف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سرکنڈہ یا لوہے سے بنا ہو۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی ہو۔ اور اگر یہ رحمت الٰہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز ہو جاتا۔ اسلئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو۔ اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمٰن پر ہوا نہ کہ اللہ کی صورت پر۔

پس حضرت الٰہی حضرت رحمٰن کے غیر ہے اور بادشاہت و ربوبیت کے بھی غیر ہے اسلئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو۔ ارشاد ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ[1]۔ آپ فرما دیجئے کہ میں لوگوں کے پروردگار۔ لوگوں کے بادشاہ سے پناہ مانگتا ہوں اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا لفظاً درست نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا[2] اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علیٰ صورۃ الرحمٰن ہے (حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ صرف مصنف کی اختراع ہے)

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے ممیز کرنیکے لئے طویل شرح کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے

---

[1] پناہ مانگنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق وسواس الخناس سے ہے اور رب الناس، ملک الناس، و الٰہ الناس کے ذریعہ پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ خود خدا تعالیٰ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اعوذ باللہ تو اس کا یہ مقصود نہیں کہ وہ اللہ سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ افسوس کیا غزالی اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ب سبب کیلئے آتی ہے اور غزالی کی اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کا تمام مفہوم تبدیل ہو جائے گا۔ اگر رب، ملک اور رحمٰن کو اللہ کے علاوہ تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ سے جتنے نام منسوب ہیں وہ اللہ کے غیر ہیں۔ اور کفار مکہ بھی رحمٰن کو اللہ کا غیر تصور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ سے تو واقف ہیں لیکن یہ رحمٰن کون ہے اس سے واقف نہیں۔ رب ہو یا ملک، رحمٰن ہو یا رحیم یہ ایک ہی ذات کے صفاتی نام ہیں، مقصود سب کا ایک ہے [2] حدیث کے الفاظ ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور شروع کتاب میں مصنف نے یہ الفاظ نقل بھی کئے ہیں۔ اور رحمٰن کا لفظ کسی روایت میں نہیں اور نہ مصنف نے اس کا حوالہ دیا ہے

کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ اگر تمھارے دل میں ان مثالوں سے کوئی شبہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا — اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر مقدار کے مطابق اس سے نالے بہائے

کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہیں

خاتمہ و معذرت

اس مختصر اور ضرب الامثال سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے گویا یہ رخصت ہے کہ آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بطلان کا عقیدہ قائم کیا جائے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے نہ تھے اور انھوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے اتار دو نہیں سنا تھا۔ خدا کی پناہ میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنیوں کی رائے ہے جنھوں نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے دونوں جہان میں سے صرف ایک جہان کو دیکھا۔ اور دونوں کے تقابل میں جہالت سے کام لیا اور وجہ بھی نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کلیۃ باطل کرنا حشویہ کا مسلک ہے۔ پس جو شخص مجرد ظاہر پر ہے وہ حشوی ہے اور جس کا تعلق صرف باطن سے ہے وہ باطنی ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کا ظاہر و باطن اور حد اور مطلع ہے (یعنی جائے طلوع ہے) اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے۔ بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار دو یہ سمجھا کہ دونوں جہاں چھوڑ دو پھر ظاہری حکم کی تعمیل کیلئے جوتے اتار دئے اور باطن میں تمام جہان کو چھوڑ دیا (یہ صرف تاویل برائے تاویل ہے جس کا قرآن و شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں)۔

اسی کو اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شئے سے دوسری شئے تک عبور کرنا اور ظاہر سے باطن کی طرف جاتا ہے۔ وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور پھر وہ شخص کتے کو اپنے گلو میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ ملائکہ کے انوار کی معرفت سے روکتا ہے اسلئے کہ غصہ عقل کا غول ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث کے ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر کہتا ہو کہ کتا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور جب اس گھر کی حفاظت واجب ہے جو کہ انسان کے وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پر دل کے گھر کی جو کہ جوہر حقیقی کی قرارگاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا۔ کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے۔ اور کاملین کے اس قول کا مقصود یہی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقوی کے نور کو نہیں بجھاتا۔ اور اسی باعث تو کامل کو دیکھے گا کہ وہ کمال بصیرت و عقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

بعض سالکین طریقت کا احکام ظاہر کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتی کہ ان میں سے بعض نے نماز ترک کر دیا اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی نماز میں رہتے ہیں۔ اور یہ اباحت والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنھیں بیہودہ باتوں نے پکڑ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں۔ بعض اس کے قائل

ہیں کہ باطن خباثتوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں۔ اور غضب و شہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا گمان یہ ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر مامور ہے۔ پس یہ حماقتیں ہیں۔ اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسّوں میں لٹکا دیا ہے

اب میں نعلین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہراً جوتوں کا اتارنا دونوں جہاں کے ترک کی اشارہ ہے۔ پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف لے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس رتبہ کے لوگ ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ جیسا کہ زجاجہ کے معنی میں عنقریب آئے گا کیونکہ وہ خیال جس کی مثال اصل سے اخذ کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے۔ اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب صاف ہوتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہوتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا دیتا ہے بلکہ وہ اس کیلئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیوں سے بجھ نہ جائے۔ اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔

جان لو کہ عالم کثیف خیالی سفلی انبیائے کرام کے حق میں شیشہ، انوار کیلئے طاقچہ، اسرار کیلئے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیڑھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے اس پر طور اور آگ کو قیاس کر لو۔

نکتہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوتے دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے

انھیں آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ انھیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے۔ اگرچہ عبدالرحمن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوتے تھے۔ کیونکہ نیند سلطان حواس کو نور باطن الٰہی پر غالب کردینے کے باعث مشاہدات ہی پر اثر کرتی ہے۔ کیونکہ حواس عالم حس کو اپنی جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں۔ اور اس کی ذات کو عالم غیب وملکوت سے پھیرنے والے ہیں۔ لیکن بعض انوار نبویہ اتنے شفاف اور غالب ہوتے ہیں کہ انھیں حواس اپنے عالم کی جانب مشغول نہیں کرتے۔ اسی باعث بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو اور لوگ نیند میں دیکھتے ہیں۔ اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو اس کا ادراک محض صورت دیکھنے والی آنکھ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل ہے کھینچتی ہے۔ پس جبکہ اشغال دنیویہ کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو تو وہ جنت کی سیر سے رہ جائے گا۔ اور اگر جاذبِ ایمان زیادہ قوی ہے تو یہ تنگی رزق پیدا کرے گا۔ یا اس کی سیر میں چلے گا۔ عالم شہادت میں اس کی مثال ابر ہے علیٰ ہذا اسرار آئینہائے خیال سے قبل ہی ظاہر جائیں گے۔ اور آپ کا یہ حکم عبدالرحمن ہی تک محدود نہ رہے گا۔ گو کہ آپ کا دیکھنا انھی تک محدود تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو۔ لیکن ساتھ میں مال کی کثرت ہو۔ کیونکہ کثرت مال ایمان کے مزاحم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انبیائے کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے تھے اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ معنیٰ

مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں ۔ پھر اس میں روح خیال کو دیکھتے ہیں اور
ایسی صورت جو کہ معنی کے متشابہ اور مساوی ہے وہ منطبع ہو جاتی ہے اور
بیداری میں وحی کی یہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند میں تعبیر
کی محتاج ہے ۔ اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص نبویہ کے ساتھ اس کی
نسبت ایسی ہے جیسا کہ ایک کو چھیالیس کے ساتھ ۔ اور اگر بیداری میں ایسا
ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے ۔ میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی
نسبت ایک کی تین سے ہوگی ۔ کیونکہ ہم پر جو کچھ عیاں ہے اس سے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ خواص نبویہ تین قسم کے شعبوں میں منحصر ہیں اور یہ تینوں میں سے
ایک ہے

قطب دوئم

مراتب ارواح بشریہ نورانیہ

اول روح حساس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ حواس جو کچھ اس پر پیش کرتے
ہیں وہ ان سے ملتی ہے ۔ یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اسی کے باعث حیوان کو
حیوان کہتے ہیں ۔ یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے

دوئم روح خیالی ۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ اسے لکھتی اور
اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقل
کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے ۔ یہ دودھ پیتے بچہ میں شروع نشو و
نما میں نہیں پائی جاتی ۔ اسی لئے وہ کسی شئے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لیلے اور جب
وہ شئے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے ۔ اس کا نفس اس پر جھگڑتا
نہیں ۔ حتی کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شئے اس سے غائب
ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے ۔ کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال

میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ آگ کی جانب اسلئے لپکتے ہیں کہ انھیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام کی جانب جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس سے گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دوبارہ اور سہ بارہ اس کی جانب لپکتا ہے۔ اگر اس کی روح حافظ ہوتی تو اسے اس کی جب کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفعہ کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی۔ لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔

سوئم۔ روح عقلی۔ یہ ان معانی کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماوراء ہیں یہ جوہر انسان کیلئے خاص ہے۔ اور چوپایوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معلومات معارف ضروریہ کلیہ ہیں۔ جیساکہ ہم یہ امر اس جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں ہم نے نور عقل کو نور بصر پر فضیلت دی ہے۔

چہارم۔ روح فکری ہے۔ اور وہ روح وہ ہے جو علوم عقلیہ محض کو لیتی ہے پھر ان میں الفت و ملاپ پیدا کرتی اور ان سے معارف نفسیہ پیدا کرتی ہے۔ پھر اگر دو نتائج برآمد ہوں تو دوبارہ انھیں ملاتی اور نتیجہ برآمد کرتی ہے اسی طرح ہمیشہ الی غیر النہایہ کرتی رہتی ہے

پنجم۔ روح قدسی نبوی۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں غیب کے علوم احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنھیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ -

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم دے کر بھیجا ورنہ آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیا شے ہے لیکن ہم نے آپ کو نور بنایا ہے کہ ہم آپ کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیساکہ عقل تمیز و احساس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں عجائبات و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز قصور وار ہوں پس انتہائے کمال کو اپنے نفس پر موقوف خیال نہ کر اور اگر تم ایسی مثال کے خواہاں ہو جس سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انھیں الحان موزونہ اور زحاف کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں قوت ذوق اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی ، راگنیاں اور مختلف قسم کی لَے ایجاد کی ہیں جن میں بعض غم پیدا کرنے والی - بعض خوشی پیدا کرنے والی - بعض سلانے والی ، بعض رلانے والی ، بعض جنون آفرین اور بعض غشی کی موجب ہیں - اسی میں یہ آثار قوی ہوتے ہیں جن میں اصل ذوق ہوتا ہے لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے لگاؤ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو ضرور شریک ہے لیکن اس میں یہ آثار نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد و غشی سے تعجب کرتا ہے - اگر تمام ذوق والے عقلاء ذوق کا مفہوم سمجھانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھانے پر قادر نہیں - اور یہ ایک معمولی سی مثال ہے جو تمھاری سمجھ میں آسکتی ہے اسی پر ذوق نبوی کو قیاس کر لیا جائے - اور اس کی کوشش کر کہ اس روح کے اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے - کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس

پر قادر نہ ہو تو اس میں مذکورہ قیاسات و تشبیہات کے ذریعہ کوشش کرنا کہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھائیگا"[1]

علم ایمان سے بڑھکر ہے اور ذوق علم سے بڑھکر ذوق وجدان ہے۔ علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تقلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان و عرفان سے حسن ظن رکھنا ہے۔

جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں اسلئے کہ ان سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں۔ حسی و خیالی موجودات اگرچہ چوپایہ میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کیلئے مخصوص ہے وہ وہ حصہ جو اشرف و اعلیٰ ہے۔ اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کیلئے پیدا کی گئی ہیں جو بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن حیوانات میں یہ دونوں حسیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آلۂ کار بنیں اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دینیہ کا شکار کر سکے۔ کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنیٰ بھی نکال لیتا ہے جیساکہ ہم نے عبدالرحمٰن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے۔ جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں

آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے تقابل ہیں کلام طویل ہو جائے لیکن میں اس کا طریق بیان کرنے میں اختصار ہی سے کام لونگا۔ اگر تم دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے

---

[1] یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

خارج پاؤ گے۔ جیسے دو آنکھیں، دو کان اور دو نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکواۃ ہے۔ روح خیالی کے تین خواص ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ خیالی شئے کیلئے مقدار، صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہیں۔ اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید ہوتی ہیں۔ اور یہ کثیف ہو کر اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی شان یہ ہے۔ کہ وہ ان انوار عقلیہ محضہ جو کہ جہات و مقادیر اور قرب و بعد کے وصف سے منزہ ہیں پردے میں ہے۔

۲۔ یہ خیالی کثیفہ جب شفاف و رقیق اور مہذب و ضبوط ہو تو وہ ایسے معانی عقلیہ کے مناسب ہوتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو حائل نہیں۔

۳۔ خیال ابتدائے امر میں اس کا انتہائی محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کیلئے معارف عقلیہ کو محفوظ رکھ سکے۔ پس تو مضطرب و پریشان نہ ہو کہیں وہ حافظہ سے نہ نکل جائے۔ اسلئے کہ تم خیالی مثالوں کو معارف عقلیہ کیلئے جمع کر دو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو۔ اور وہ زجاجہ (شیشہ) کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے۔ اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جوہر کثیف ہے لیکن شفاف و رقیق ہے۔ حتیٰ کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علیٰ حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکتوں کے بجھانے سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس وہ اسکی بہترین مثال ہے۔

تیسری وہ روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور تجھ پر وجہ تمثیل پوشیدہ نہیں۔ اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہوتا مذکور ہے پہچان لیا ہے۔

چوتھی روح روح فکری ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جڑ سے شروع ہو کر دو شاخوں میں پھٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے تقسیمات عقلی سے بنجاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں ظاہر نتائج تک پہنچ جاتے

ہیں۔ پھر وہ اپنے ہم جنسوں کیلئے بیج کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوں۔

اس جہاں میں اس کی مثال شجرہ ہے۔ جب اسکے معارف کے ثمرات دو چند اور ثبات و بقا کیلئے مادہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ زیتون کے علاوہ اس کی مثال ناسپاتی سیب، انار اور دیگر درختوں سے نہ دی جائے۔ کیونکہ اس کے پھل کا مغز وہ زیت ہے جو کہ چراغ کا مادہ ہے۔ اور تمام تیلوں میں چمک کے لحاظ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے اور چونکہ اس درخت پر کثرت سے پھل آتا ہے اسی لئے اس مبارک درخت کہتے ہیں۔ تو وہ درخت کے پھل کی کوئی حد و انتہا نہ ہو اس بات کے زائد لائق ہے کہ اسے مبارک درخت کہا جائے۔ اور چونکہ افکار عقلیہ محضہ کے شعبے جہات اور قرب و بعد سے منزہ ہیں تو وہ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہو اور نہ غربی

پانچویں روح روح قدسی نبوی ہے جو کہ اولیاء اللہ کی جانب منسوب ہے بشرطیکہ وہ نہایت چمکدار اور صاف ہو۔ اور روح مفکرہ اس امر کی جانب منقسم ہے جو کہ تعلیم اور تنبیہات خارجیہ کی جانب منسوب ہیں جب تک وہ اقسام معارف میں رہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت شفاف ہیں۔ گویا وہ کسی خارجی امداد کے بغیر خود بخود روشن ہیں۔ تو اس صورت میں مناسب ہے کہ صاف سے قریب الاستعداد مراد لیا جائے۔ بایں طور کہ قریب ہے کہ اس کا زیتون روشن ہو جائے۔ اگرچہ اسے آگ قطعاً نہ چھوئے کیونکہ بعض حضرات اولیاء ایسے بھی ہیں کہ قریب ہے ان کا نور چمک اٹھے اور وہ انبیائے کرام علیہ السلام کی مدد سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی طرح بعض حضرات انبیاء وہ ہیں جو ملائکہ کی مدد سے مستغنی ہیں۔

یہ مثال اس تقسیم کے مطابق ہے اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر مرتب ہیں تو اس سے یہ خود ثابت ہو گیا کہ پہلی قسم حسی ہے اور وہ روح خیالی کیلئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ حسی کے بغیر خیالی کا تصور ممکن نہیں۔ اور فکر و عقل کا مقام ان دونوں کے بعد ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ شیشہ چراغ کے محل کی مانند ہو اور طاقچہ شیشہ کے محل کی طرح۔ اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر فائق ہیں تو انھیں نورٌ علیٰ نور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو۔ خدا تعالیٰ توفیق بخشنے والا

خاتمہ

یہ مثال مؤمنین، انبیائے کرام اور اولیاء کے دلوں کے لائق ہے نہ کہ کفار کے۔ کیونکہ نور کا ارادہ ہدایت کے لئے ہوتا ہے۔

جو شئی طریق ہدایت سے پھیرنے والی ہو وہ امر باطل اور ظلمت ہی بلکہ ظلمت سے بھی بڑھکر اسلئے کہ ظلمت جیسے حق کی جانب نہیں لیجاتی وہ ہدایت کی طرف بھی نہیں لے جاتی۔ کفار کی عقلیں اندھی ہیں۔ ان کے تمام ادراکات ان کے حق میں ان کی گمراہی پر ممد و معاون ہیں

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے بھنور میں پھنس گیا ہو اور جسے ایسی موج نے ڈھانپ لیا ہو کہ اس موج کے ساتھ پے در پے موجیں ہوں۔ اس کے اوپر بادل اور ظلمتیں یکے بعد دیگرے چھائی ہوں۔

بھنور والا سمندر دنیا ہے جس میں بہت سے خطرات و مہلکات حوادث و تکدرات موجود ہیں جو انسان کو اندھا کرنے والے ہیں۔ پہلی موج تو شہوتوں کی موج ہے جو کہ صفات بہیمیہ کو ابھارتی ہے اور لذات جسم اور حاجات دنیاویہ کو پورا کرنے میں منہمک رکھتی ہے یہ لوگ اس طرح کھاتے اور نفع حاصل کرتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ تو لازماً یہ موج تاریک ہوگی۔ کیونکہ کسی شئے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے

دوسری موج صفات درندگی کی موج ہے جو کہ غضب، عداوت، دشمنی، کینہ، حسد، بخیلی، فخر اور کثرت مال پر ابھارتی ہے۔ لازماً وہ تاریک ہوگی۔ کیونکہ غضب عقل کا بگولہ ہے اور لازماً یہ موج اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ کیونکہ اکثر جب غضب موج مارتا ہے تو شہوات پر بھی غالب آجاتا ہے اور انسان شہوات و لذات سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شہوات اس موج انگیز غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

رہے بادل تو وہ اعتقادات خبیثہ، خیالات فاسدہ اور جھوٹے گمانات ہیں جو کہ ایمان و معرفت حق اور قرآن سے نور حاصل کرنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ بادل کی خاصیت

یہ ہے کہ وہ نور آفتاب کی چمک کو چھپا لیتا ہے تو جب ان تمام اقسام کی تاریکیاں ہوں تو انھیں ایسی ظلمتوں سے تعبیر کرنا مناسب ہے جو ایک دوسرے پر چھائی ہوں، اور جب ان ظلمتوں کی موجودگی میں اشیائے قریبہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی۔ اسی لئے کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اور جب کہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موحد کو یہ اعتقاد کرنا چاہیئے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس کیلئے کوئی نور نہیں۔ اس آیت کے اسرار میں سے اتنا ہی کافی ہے بس اسی پر قناعت کرو۔

باب سوئم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ کیلئے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں۔ اگر انھیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیزیاں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں ہلاک کر دیں۔ اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پردے بھی آئے ہیں[1]۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کیلئے بالذات روشن ہے۔ اور حجاب ہمیشہ محجوب کی بہ نسبت ہوتا ہے۔ اور محجوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اول جو صرف ظلمت سے پردے میں ہوں۔

ثانیاً جو محض نور سے پردے میں ہوں

ثالثاً وہ لوگ جو اس نور سے پردے میں ہوں جو ظلمت کے ساتھ مخلوط ہے

ان اقسام کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ممکن ہے کہ میں انھیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اس تعداد سے حصر مقصود ہے

---

[1] ستر یا سات سو پردوں کا ذکر کسی روایت میں نہیں۔ ستر ہزار پردوں کی حدیث صحیح مسلم میں ابوذر اور ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے۔ لیکن اس حدیث میں ظلمت کا کوئی ذکر نہیں بلکہ ارشاد رسول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے نور کے ستر ہزار پردے ہیں۔

معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شئے لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سوا اس کا قوت نبویہ ہی ادراک کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا گمان یہ ہے کہ یہاں مذکورہ عدد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے۔ کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے۔ میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتادوں جو حسب ذیل ہیں

قسم اول

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محجوب ہیں۔ اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخروی پر ترجیح دیتے ہیں اسلئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم کے تو وہ لوگ ہیں جو اس جہان کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے۔ کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے۔ لیکن وہ خود تاریک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے۔ اس کیلئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے۔

۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انھوں نے سبب کے تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے۔ ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں۔ اور ہوائے نفس سے بڑھکر کوئی ظلمت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض خواہش نفس ہے۔ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں

ایک طبقہ کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت و شہوت کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح، کھانا پینا اور لباس۔ یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل لینا ہی اصل سعادت ہے۔ انھوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ چوپاؤں کے قائم مقام ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پس اس سے بڑھکر کونسی ظلمت ہوگی۔ یہ لوگ محض اندھیرے میں ہیں موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے[1]

ایک دوسرے فرقہ نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور بڑائی حاصل ہو۔ اسی باعث وہ قتل و غارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوی، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بے وقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات درندگی کی ظلمت میں محجوب ہیں۔ کیونکہ درندگی ان پر غالب ہے اور ان کا مقصود بڑی بڑی لذات ہیں یہ لوگ اسی کو بہتر تصور کرتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم رہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ

تیسرے فرقے کا تصوّر یہ ہے کہ انتہائے سعادت یہ ہے کہ بہت سامال اور فراخی ہو اسی لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پورا کرنے کا آلہ ہے۔ اور اسی سے انسان اپنی حاجت روائی کرتا ہے ان لوگوں کی ہمّت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائداد منقولہ و غیر منقولہ عمدہ گھوڑے، چوپائے، کھیتی کی کثرت۔ یہی ان کی طلب ہے۔ پھر یہ زمین کے نیچے اشرفیاں جمع کرتے ہیں۔ تم انھیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے خطرناک میدانوں کے طے کرتے۔ سفر کی مشقتیں اٹھاتے۔ سمندروں میں سفر کرتے، مالوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر بخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ ہلاک ہو جائے بندۂ دینار اور ہلاک ہو جائے بندۂ درہم۔

---

[1] چونکہ یہ ترقی یافتہ دور ہے اسلئے ان صفات میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ مثلاً رشوت دیتے اور لیتے بے ایمانیاں کرتے۔ لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ کرتے۔ دھوکہ و فریب کرتے۔ سود کھاتے اور کھلاتے جوا کھیلتے، غذا میں ملاوٹ کرتے اور مال کی ہوس میں ایک دوسرے سے دشمنی کرتے اور خود کو مالک الملک تصور کرتے ہیں

اس سے بڑھکر کیا تاریکی ہوگی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبہ ہے کہ سونا چاندی دونوں پتھر ہیں۔ بالذات مقصود نہیں۔ اور جب ان سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی انھیں خرچ نہ کیا جائے تو یہ کنکر کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ (بلکہ تعلیم یافتہ) ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خوب جاہ و جلال ہو، شہرت ہو اور گھر گھر چرچے ہوں۔ بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہمہ وقت آئینہ کی جانب دیکھتے رہتے اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک کو میسر نہیں لیکن وہ اپنا مال نفیس نفیس کپڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انھیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس قسم کے لوگ لاتعداد ہیں۔ اور یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں۔ ان کے نفوس اندھے ہیں

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں۔ یا ان سے مدد لینا یا ان کے مال کی طلب مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں۔ جب اس کلمہ سے یہ لوگ عمل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انھیں ظلمات سے نہ نکالے گا۔ ان کے دوست شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بُری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ خالص ظلمت میں نہیں اگرچہ گناہگار ہو (یعنی اس میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے)

دوسری قسم کی وہ جماعت ہے جو ایسے نور سے محجوب ہے جو ظلمت سے ملا ہوا ہے یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

۱۔ اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشا حس ہے۔
۲۔ دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشا خیال ہے۔
۳۔ ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا مقصود قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت حسیہ سے محجوب ہے۔ یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حرص کرنے سے محترز نہ ہو اور اپنے رب کی معرفت کا شوق نہ رکھتا ہو۔ ان میں سے اول درجہ پر بت پرست لوگ ہیں اور آخر درجے میں ثنویہ ہیں۔ ان دونوں کے بھی کئی درجات ہیں۔

اول گروہ بت پرستوں کا ہے۔ وہ فی الجملہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک ربّ ہے جو خود کو ان کے اندھے نفوس پر ترجیح دینا لازمی بتاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شئی سے زیادہ عزیز اور ہر نفیس شئے سے بہتر ہے۔ لیکن انھیں حس نے محجوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے آگے نہیں بڑھتے۔ انھوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یاقوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائیں اور انھیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جمال و عزّت کے نور سے محجوب ہیں۔ انھیں اس نور سے حس کی ظلمت نے روک رکھا ہے۔ کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے میں ظلمت ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکستان کے پرلی جانب واقع ہے۔ ان کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا ایک ربّ ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی خوب صورت انسان، درخت گھوڑے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ربّ ہے۔ یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمت حس کے ساتھ محجوب ہیں۔ یہ بت پرستوں کی بہ نسبت نور کے ملاحظہ میں زیادہ داخل ہیں۔ کیونکہ وہ مطلق حسن کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی خاص ذات کی اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے۔ پھر وہ قدرتی جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نورانی ہو۔ بلحاظ صورت خوب صورت ہو اپنے نفس میں غالب ہو، اپنے حضور میں باہیبت ہو۔ کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسلئے کہ ان کے نزدیک بھی غیر محسوس کا کوئی مقصد نہیں۔ انھوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ اور اسے اپنا رب بنالیا۔ یہ لوگ سلطنت و رونق کے نور سے محجوب ہیں۔ اور یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے انوار میں داخل ہیں

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شئے میں سلطنت و رونق پائی جاتی ہو۔ ہم میں اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثیرات کا منسوب ہونا مشہور تھا۔ اس لئے ان میں سے بعض نے تو شعری کی عبادت کی اور بعض نے مشتری و غیرہ ستاروں کی۔ اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کہ کن میں تاثیر زیادہ ہے عبادت شروع کی۔ یہ لوگ بلندی کے نور اور اس کے اشراق و غلبہ سے محجوب ہیں۔ اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے پانچواں گروہ جو یہ گروہ کا یہ خیال ہے کہ مرتبہ میں سورج سب سے [illegible] ... محسوس میں جو [illegible] اور نور و ظلمت [illegible] لہٰذا سورج کی پوجا کرنے لگے چھٹا گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نور آفتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شئے رب کی شریک ہو۔ انھوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی۔ ان کا خیال ہے کہ وہ رب العلمین ہے اور تمام خوبیاں اسی کی جانب منسوب ہیں۔ لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ انھوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے رب کی جانب منسوب کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے۔ اسلئے انھوں نے ظلمت کا جھگڑا کھڑا کرکے جہاں کو نور و ظلمت کے حوالے کر دیا۔ اکثر نے اس کا نام یزدان و اہرمن رکھا

یہ لوگ ثنویہ ہیں۔ اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔
دوسری قسم وہ ہے جو ان بعض انوار سے محجوب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں۔ یہ لوگ حس سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انھوں نے ایسے موجود کی عبادت شروع کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان سے کمتر رتبہ والے مجسمہ ہیں۔ پھر کرامیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں۔ ان کے مقالات و مذاہب کی شرح مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جسمانیت اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن اس سے بلندی کی نفی نہیں کرتے۔ اسلئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شئی جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہان سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی۔ انھیں یہ معلوم ہی نہیں کہ معقولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات و مکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے۔
تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الٰہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسدہ کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع و بصیر، عالم، قادر، حی اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انھوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا۔ حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف و آواز ہے۔ بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور بولے کہ نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے دل کے کلام کی طرح کہ جس میں حروف و آواز نہیں علیٰ ہذا
جب ان سے سمع و بصر اور حیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہیں تو وہ معنی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اگرچہ لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں۔ اسلئے کہ انھوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظات کے اطلاق کے معنی نہیں سمجھے۔ اسی لئے اس کے ارادے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے۔ اور وہ ہماری طرح قصد و طلب کرتا ہے۔ یہ مذاہب مشہور ہیں جنکی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ فاسدہ کی ظلمت میں محجوب ہیں۔
چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض انوار سے محجوب ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے میں ان میں سے تین قسموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنھوں نے صفات کے تحقیقی معنی معلوم کر لئے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام، ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسماء کا خدا پر اس قسم کا اطلاق نہیں جیسا کہ انسان پر کرتے ہیں۔ اور انھوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے احتراز کیا ہے اور انھوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العٰلمین کیا ہے تو جو موسیٰؑ نے جواب دیا تھا یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں رب جو کہ ان صفات کے معانی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم۔ اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جداگانہ محرک موجود ہے جسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان میں بھی کثرت ہے اور ان کی نور الٰہیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسا کہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمان کے ضمن میں ہیں۔ اور یہ تمام آسمان دن رات میں اسی آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں۔ پس اوپر کے رب جسم کا رب جو تمام آسمانوں پر حاوی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی منافی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک ملاقات و مباشرت کے طور پر ہے۔ مناسب ہے کہ رب العٰلمین کی خدمت و عبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کیلئے ہو۔ جسے فرشتہ کہتے ہیں۔ اس کی انوار الٰہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف چاند کی طرف نسبت۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رب ہی اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے۔ اور پروردگار نے ہر ایک کیلئے محرک پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ محرک بطریق امر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھانے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنھیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام اقسام انوار محضہ کے ساتھ محجوب ہیں اور پہنچنے والے چوتھی قسم کے ہیں جن کیلئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہے جو

وحدانیت محضہ ہے اور اس مطاع کی وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انگارے کی خالص آگ کی جوہر کی طرف پھر انھوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمانوں کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رجوع کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور ان عقلیں پاتی ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور مقدس پایا۔ پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ جن سے وہ سب امور کہ جنھیں اس کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جل اور پھٹ گئے۔ لیکن وہ خود جمال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جمال میں دیکھ رہے ہیں جس نے حضرت الٰہی سے ملنے کے سبب جمال پایا ہے۔ پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں ان سے آگے ایک اور گروہ ہے ان میں خواص الخواص ہے۔ انھیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلا دیا ہے۔ اور سلطان جلال نے انھیں ڈھانپ لیا ہے۔ وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشئی ہو گئے ہیں۔ انھیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا۔ کیونکہ یہ لوگ خود سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا ہے۔ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انھوں نے اتحاد کا کیسے اطلاق کیا۔ یہ واصلین کی نہایت ہے۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان پر عروج نے زیادتی نہیں کی۔ وہ اول ہی وہلہ میں معرفت کی اس ہر شئی سے کہ جس سے اُسے پاک کرنا چاہیئے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے۔ بس ان پر اول ہی وہ شئی غالب آگئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آئی۔ ان پر دفعۃً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزیوں کو جلا دیا جنھیں بصر حسی یا بصیرت عقلی معلوم کرتی ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے

یہ محجوبین کے اقسام کی جانب اشارہ ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے حجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد و شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے۔ لیکن جب تم تفتیش کروگے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے۔ کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا حس یا خیال یا قیاسات عقلی یا نور محض سے محجوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالات کے جواب میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی۔ اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دوسری جانب مائل تھی۔ میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے اس زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے۔ کیونکہ اسرار الٰہیہ کے بھنور میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے کوئی سہل نہیں۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا
محمد و آلہ الطیبین الطاہرین

تمت

۱۶۶

تصنیف

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

ترجمہ و حواشی

مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی

ناشر

واحد بک ڈپو

جونا مارکیٹ کراچی ۲